اردو میں جاسوسی ادب کی روایت و رفتار

مختار ٹونکی

کالی پلٹن روڈ، پل محمد خاں، ٹونک (راجستھان)

اردو میں سرّی ادب شروع سے ہی بہت مقبول رہا ہے، لیکن ہمارے نام نہاد ناقدوں نے اِسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے بلکہ المیہ ہے کہ اردو زبان وادب کی چھوٹی بڑی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر خال خال ہی ملتا ہے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جاسوسی ادب کو خارج از ادبیات سمجھ کر پوری طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔ اردو میں اس کے عہد بہ عہد ارتقائی جائزہ لینے کی نہ تو کوئی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے اور نہ جاسوسی ناول نگاروں کی خدمات کو جھوٹے منہ ہی سراہا گیا ہے۔ پتہ نہیں ہمارے ناقدین کس مٹی کے بنے ہیں کہ ایک طرف تو کہتے ہیں، ادب اپنے معاشرے کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف معاشرے میں پھیلے جرائم کو اُجاگر کرنے والے جاسوسی ادب کو وہ ادب ماننے سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ جب ادب اور معاشرہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے تو معاشرہ اور جرائم بھی لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ویسے بھی تاک جھانک، چھان بین، تفتیش و تلاش، تجسس و تفحص اور جاسوسی و سراغ رسانی کا مادہ انسانی جبلّت میں داخل ہے۔ جستجو کرتے کرتے اس کی عمر بیت جاتی ہے، اس سے مفر ممکن نہیں۔ قدیم قصّے کہانیوں میں کٹنیوں کا ذکر ملتا ہے جو آسمان میں تھگلی لگانے کی دعویدار ہوتی تھیں اور کھوجی اشخاص بھی پامال کی تہہ میں سے سراغ نکال لاتے تھے۔ جنگی مہمات سرانجام دینے سے پہلے بھی جاسوسوں کی خدمات لی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں جاسوسی ادب کو مغربی ممالک کے کئی بڑے ادیبوں نے سرآنکھوں پر رکھا ہے۔ ایڈگر ایلن پو سر آرتھر کانن ڈائل سے لے کر اسٹینلے گارڈنر و کارٹر براؤن تک اس کے فروغ میں پیش پیش رہے ہیں اور آگے بڑھو تو اُگاتھا کرسٹی و جیمس ہیڈلے چیز تک سری ادب کی وہاں ایک شاندار و جاندار روایت ہے پھر کیوں اردو کے نقادستم ایجاد اس کے قائل نہیں۔

اردو کے کلاسیکی ادب کا اگر بہ غائر مطالعہ کیا جائے تو سرّی ادب کی جھلکیاں ہمیں دور تک دکھائی دیں گی۔ اردو داستانوں اور حکایات و قصص میں جاسوسی کے عناصر بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ ''طلسم ہوشربا'' کی ساتوں جلدوں کو اگر ناولوں کا روپ دے دیا جائے تو وہ اردو میں جاسوسی ادب کی ابتدائی کہانی دہرائیں گے۔ ''طلسم ہوشربا'' کا مسخرا کردار عمرو عیار ایک اِسپائی کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی زنبیل میں طرح طرح کے شعبدے ہیں اور وہ خود بھی چند مافوق الفطرت قوتوں کا مالک ہے تاکہ برائی کے کارندوں سے موقع پر نبرد آزما ہو سکے۔ جاسوسی ناولوں میں عام طور پر ایسی ہی خیر و شر کی لڑائی ہوتی ہے اور آخر میں بدی کی بیخ کنی پر ان کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ یہی کچھ قدیم داستانوں میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

اردو میں جاسوسی ناول نگاری کی باقاعدہ شروعات کا سہرا فیروز دین مراد اور ظفر عمر کے سر باندھا جاسکتا ہے۔ فیروز دین مراد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں علم کیمیا کے لکچرر تھے اور اردو انگریزی دونوں زبانوں پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ انھوں نے سر آرتھر کانن ڈائل کے لکھے کتابی کارناموں کو پڑھا تھا اس لیے شرلاک ہومز نامی مشہور زمانہ جاسوس کو انھوں نے اردو والوں سے متعارف کرانے کا بیڑا اُٹھایا۔ ''حکایات شرلاک ہومز'' اور ''خوں نابۂ عشق'' ان کی ترجمہ شدہ کتابیں ہیں۔ ''خوں نابۂ عشق'' آرتھر کانن ڈائل کے اولین ناول ''اے اسٹیڈی اِن اسکارلٹ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ ظفر عمر بی اے علیگ حالانکہ فیروز دین مراد کے ہم عصر تھے، لیکن انھوں نے فرانسیسی جاسوسی ناول نگار مارس لبیلان کے جاسوسی ادب کو اردو میں منتقل کیا۔ ظفر عمر نے ''نیلی چھتری'' کے ذریعے ہندوستان گیر شہرت حاصل کی اور ان کی یہ کتاب کئی بار شائع ہوئی۔ انھوں نے مارس لبیلان کے کردار آرسین لوپن کو ''بہرام'' کی شکل میں اس طرح پیش کیا کہ طبع زاد معلوم ہو۔ بہرام ڈاکو نے اردو کے جاسوسی ادب میں وہی شہرت پائی جو انگریزی میں شرلاک ہومز اور فرانسیسی میں ڈاکو آرسین لوپن کو حاصل ہے۔ ظفر عمر نے کئی ناول پیش کیے، مگر ان میں کوئی بھی طبع زاد نہیں تھا۔ سبھی مارس لبیلان کے ناولوں کا ہندوستانی روپ تھے۔ اپنے ناول ''بہرام کی گرفتاری'' کے پیش لفظ میں انھوں نے خود لکھا تھا:

> ''نیلی چھتری جس میں بہرام کے حیرت انگیز کارنامے اوّل بار شائع ہوئے موسیو لبیلان فرانسیسی افسانہ نگار کی کتاب ''پولی سونی'' کو ہندوستانی زبان اور ہندی تاریخ و طرز معاشرت کا جامہ پہنا کر اہل ملک کی تفریح کے لیے پیش کی گئی تھی، اس کتاب نے اُمید سے کہیں زیادہ خراج تحسین حاصل کیا۔ ''نیلی چھتری'' کے بعد صدہا ناظرین کے اصرار نے ''بہرام کی گرفتاری'' کی تکمیل پر مجبور کیا۔ اُمید ہے کہ مؤلف کے مصائب اور تکالیف کا اثر بہرام کی عجیب و غریب شخصیت پر نہ پڑے گا اور اس کے کارنامے اس کتاب میں ''نیلی چھتری'' سے

بھی زیادہ دلچسپ پائے جائیں گے۔''

واضح ہو کہ یہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی کا زمانہ اور اردو میں جاسوسی ادب کا ابتدائی دور تھا۔ مذکورہ دونوں صاحبان نے جاسوسی ادب کا ذوق وشوق پیدا کیا، لیکن اسے بھرپور طریقے سے مقبول عام بنانے میں دوسرے دور کے قلم کاروں اور ترجمہ نگاروں نے قابل قدر مساعی کیں جن میں کچھ کے نام بڑے طمطراق سے لیے جاسکتے ہیں منشی تیرتھ رام فیروز پوری، منشی ندیم صہبائی، خان محبوب طرزی، مرزا ہادی رسوا، پنڈت ملک راج آنند وغیرہ نے اپنے تراجم سے اردو کے دامن کو مالا مال کیا۔ رائیڈر ہیگرڈ اور رینالڈ کے مہماتی ناول بھی منظر عام پر آئے اور لوگوں میں مطالعہ کے رجحان کا گونا گوں اضافہ ہوا۔ منشی تیرتھ رام فیروز پوری تو اس ضمن میں شہنشاہ تراجم کہے جاسکتے ہیں جنھوں نے کم وبیش تقریباً ڈھائی سو ناولوں کا ترجمہ کیا ہے۔ ان کے کچھ ناول تو اس زمانے میں بار بار پڑھے جانے کے لائق تھے۔ حالانکہ منشی جی نے انگریزی زبان کے معروف مصنّفین کے مشہور ناولوں کو اردو کا جامہ پہنایا ہے اور ماحول وکرداروں کے نام وغیرہ بدلنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں سمجھی ہے، مگر ان کا طرز تحریر اس قدر عام فہم اور دلچسپ ہے کہ پلاٹ کا ماحول اجنبی ہونے کے باوجود قاری کے ذہن ودل پر گراں نہیں گزرتا۔ وہ ''دیوتا کی آنکھ'' ہو کہ ''بلیک شرٹ کی واپسی'' ہر ایک ناول میں انھوں نے اپنے طرز بیان سے جادو جگایا ہے اور جاسوسی ناولوں کے پڑھنے والوں کے ذوق وشوق کو پروان چڑھایا ہے۔ اسی طرح منشی ندیم صہبائی نے بھی اس زمانے میں خوب شہرت حاصل کی۔ خان محبوب طرزی اور مرزا ہادی رسوا نے اپنے تراجم سے جاسوسی ادب کو ہوا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

تراجم کی گرم بازاری اور گہما گہمی میں کئی تجسس پسند قلم کاروں نے طبع زاد جاسوسی ناول بھی تحریر کیے اور اردو کے قارئین کو سّری ادب سے جوڑے رکھا۔ پنڈت کشور چند کا نام اس سلسلے میں سرفہرست ہے کہ انھوں نے پانچ جلدوں میں 'رتن بے بہا''، دو جلدوں میں ''پیاری''، ''جام دلربا''، ''بدرالنسا بیگم''، ''پلیڈر کی کرتوت''، ''پدماوتی'' وغیرہ لکھ کر اردو دنیا میں ہلچل مچائی۔ طالب لکھنوی نے ''ایرانی کا چاند'' اور ''نوکھاہار'' سے اپنی قلمی حیثیت درج کرائی۔ علاوہ ازیں فدا علی خنجر کا ''خوجی ٹولہ''، نور محمد عشرت کا ''خونی بہرام'' احمد اللہ خاں کا ''خونی ہتھکڑی'' اور غالب الہ آبادی کا ''خونی پہچان'' ناول بھی دوسرے دور کی قابل قدر یادگاریں ہیں جواب نایاب ہیں۔

جاسوسی ادب کا تیسرا دور نہ صرف ہنگامہ خیز ثابت ہوا بلکہ یہ جاسوسی ناول نگاری کے عروج وکمال کا زمانہ تھا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد جب تیسرے دور کی شروعات ہوئی تو الہ آباد اور دہلی اس کے گڑھ بن گئے۔ مارچ ۱۹۵۲ء میں ابن صفی اپنا پہلا ناول ''دلیر مجرم'' لے کر الہ آباد کے میدان میں اُترے اور فریدی وحمید کے کرداروں کو قارئین کے سامنے پیش کیا جو آگے چل کر بے مثال ثابت ہوئے۔ دہلی میں اظہار اثر نے طبع زاد ناول ''ناگن'' لکھا جو مقبول ہوا اور اسی مقبولیت کی وجہ سے انھوں نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا اور چار مزید ناول ''ناگن دوم''، ''شمونہ''، ''خونی ڈاکٹر''، ''گلابی موت'' کے نام سے تحریر کیے، لیکن تیسرا طویل دور ابن صفی کے نام سے موسوم رہا۔ انھوں نے جاسوسی ناولوں میں مزاح کی چاشنی دے کر ایک نئے اسلوب کی بنیاد رکھی اور اپنے مستقل کرداروں کے ذریعے سراغ رسانی کے ساتھ دلچسپیوں کے سامان بھی فراہم کیے۔ سراغ رسانی، طنز ومزاح، ایڈونچر اور رومانس سے بھرے ناولوں نے اردو دنیا میں واقعی تہلکہ مچا دیا۔ جلد ہی ابنِ صفی ہندو پاک کے مقبول ترین اور کامیاب ترین جاسوسی ناول نگار بن گئے اور ان کے ناول لاکھوں کی تعداد میں ہوٹ کیک کی طرح فروخت ہونے لگے۔ پھر تو ''جاسوسی دنیا'' کے ذریعے اردو دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ ابنِ صفی کی ہر دل عزیزی نے یہ رنگ دکھایا کہ ان کی دیکھا دیکھی درجنوں ناول نگار سبزۂ خودرو کی طرح پیدا ہوگئے بلکہ ان کا نام بگاڑ کر این صفی، اِبّن صفی، نجمہ صفی وغیرہ نام سے لکھنے لگے تاکہ فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ ہندو پاک میں ان کے نقالوں اور مقلدوں میں کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

اظہر کلیم، مظہر کلیم، ابن آدم، ایس قریشی، اقبال کاظمی، ایم۔ اے راحت، حمید اقبال، اکرم الہٰ آبادی، مسعود جاوید، عارف مارہروی، ہمایوں اقبال، ایچ اقبال، انجم عرشی، بدنام رفیعی وغیرہ۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی جاسوسی ادب کے پڑھنے والوں پر کوئی چھاپ نہیں چھوڑ سکا کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے قلم کی جولانی نہیں دکھا سکا بلکہ صرف ابن صفی کے کرداروں کا بھدے طریقے سے چربہ اُتارتا رہا اور ان کے اسلوب کی نقل کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ کامیابی ان کے قدم چھونے سے کوسوں دور رہی۔ ابن صفی نے تقریباً ڈھائی سو ناول لکھ کر ۱۹۸۰ء میں وفات پائی، مگر جاسوسی ادب کو حیات دوام اور استحکام بخش گئے۔ الہٰ آباد سے ''جاسوسی دنیا'' ہر ماہ شائع ہوتا تھا۔ دہلی سے کئی جاسوسی ماہنامے کتابی شکل میں شائع ہونے لگے تھے جن میں کسی نہ کسی مصنف کا ناول اشاعت پذیر ہوتا تھا۔ دو جاسوسی ماہنامے تو اظہار اثر ہی شائع کرتے تھے جن میں طارق وبہرام کے تخلیق کردہ پرائیویٹ جاسوسوں کے کارنامے پیش کیے جاتے تھے۔ ''سی۔ آئی۔ ڈی''، ''جاسوسی پنجہ''، ''بدھی مان جاسوس''، ''تلاش'' وغیرہ ماہنامے بھی نکلتے تھے۔ پاکستان میں ابن صفی کے شاگرد مشتاق احمد قریشی ان کے مشن کی باگ ڈور تھامے ہوئے ہیں اور ہندوستان میں آج بھی ابن صفی متواتر ڈائجسٹوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ یہ جاسوسی ادب کا جادو نہیں تو اور کیا ہے۔

خلاصۂ تحریر یہ کہ انسان خود مجرم نہیں بنتا بلکہ زبوں حالات اُسے مجرم بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ سماج کا ڈھانچہ بدلے بغیر جرائم کی روک تھام ناممکن ہے اور جب تک جرائم ہوتے رہیں گے، جاسوسی ناول بھی لکھے جاتے رہیں گے چاہے نقاد انھیں ادب کے زمرے میں داخل کریں یا نہ کریں۔ ○○